عمران خان کے ناکام سیاسی سلیم جعفر اور منصور اختر

سہیل احمد لون

کچھ لوگ قسمت کے بہت دھنی ہوتے ہیں وہ جس کام میں بھی ہاتھ ڈالتے ہیں کامیابی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔وزیرِ اعظم عمران خان کا شمار بھی ایسے ہی خوش نصیبوں میں ہوتا ہے جنکی قسمت کا ستارہ ہمیشہ افق کی بلندی پر چمکتا رہا ہے۔ٹی وی میں ایک مرتبہ سابقہ کپتان رمیز راجہ نے کہا تھا کہ لوگوں کی قسمت کی لکیر ہتھیلی کے ایک کنارے سے شروع ہو کر دوسرے کنارے ختم ہو جاتی ہے مگر عمران خان کی قسمت کی لکیر بازو کے راستے کندھے تک جاتی ہے۔ یہ بات کرکے رمیز راجہ نے اس وقت عمران خان کے وزیرِ اعظم بننے کی نوید سنا دی تھی جب سیاسی میدان میں اس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا۔پاکستانی قومی کرکٹ ٹیم کی قیادت 1952ء عبدالحفیظ کاردار سے لیکر تا حال سرفراز احمد تک 32 کھلاڑی کر چکے ہیں۔اگر اعداد و شمار کو دیکھا جائے تو مصباح الحق، وسیم اکرم، عبدالحفیظ کاردار، اور مشتاق محمد بہت کامیاب کپتان ثابت ہوئے مگر عمران خان کو جو چیز دیگر کپتانوں سے ممتاز کرتی ہے وہ کنگ ہونے کیساتھ انکا کنگ میکر ہونا تھا۔عمران خان نے جب قومی ٹیم کی قیادت سنبھالی تو اس وقت ٹیم میں آدھی درجن سپر سٹارز کھلاڑی شامل تھے جن میں سے بیشتر اپنا عروج دیکھ چکے تھے۔ان کی جگہ نئے کھلاڑیوں کو ٹیم شامل کرکے عمران خان نے انکو کنگ بنا دیا۔عمران خان 1992ء میں قوم کو ورلڈ کپ کا تحفہ دیکر ہمیشہ کے لیے کرکٹ کو خیر باد کہہ گئے مگر انکی تیار کی ہوئی ٹیم تقریباً بارہ برس تک دنیائے کرکٹ میں اپنا لوہا منواتی رہی۔ وسیم اکرم، وقار یونس، سعید انور، معین خان، عامر سہیل، انضمام الحق، رمیز راجہ، وغیرہ کپتانی کا تاج اپنے سر سجانے میں کامیاب ہوئے۔عمران خان کے بنائے ہوئے کنگ فائٹرز آج بھی ان کو اس بات کا کریڈٹ کھلے دل سے دیتے ہیں۔کرکٹ چھوڑنے کے بعد عمران خان نے شوکت خانم اور نمل یونیورسٹی جیسے سماجی پراجیکٹ کامیابی سے تیار کرکے عوام میں اپنی مقبولیت کے گراف کو گرنے نہیں دیا۔ 1994ء میں شوکت خانم کے لیے چندہ اکٹھا کرتے ہوئے گڑھی شاہو لاہور میں پہلی مرتبہ عوام نے وزیرِ اعظم عمران خان کا نعرہ لگایا جس کے دو برس بعد اسی علاقے میں عمران خان نے اپنے چند ساتھیوں کی موجودگی میں اپنی سیاسی جماعت تحریک انصاف کی بنیاد رکھی۔ یہ اس دور کی بات ہے جب اقتدار کا رسہ پیپلز پارٹی، مسلم لیگ اور فوجی ڈکٹیٹرز کے ہاتھ میں باری باری آ جاتا تھا۔

تحریک انصاف کے ابتدائی نظریاتی کارکنان کی اکثریت ورکرکنگ کلاس سے تعلق رکھتی ہے، دراصل یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے پی ٹی آئی کا علم اس وقت بھی جوش و جذبے سے بلند رکھا جب کوئی تحریک انصاف کا نام لینے والا بھی نہیں تھا۔ اکتوبر 2011ء کے تاریخی جلسے کے بعد بڑے بڑے نام جوق در جوق پی ٹی آئی میں شامل ہونا شروع ہو گئے جو دراصل ایسے بڑے لوگوں کا جماعت میں شامل ہونا ان نظریاتی کارکنان کی دن رات کی محنت نگلنے کے مترادف تھا جو اپنا سب کچھ عمران خان کو وزیرِ اعظم کیلئے داؤ پر لگا چکے تھے۔نظریاتی کارکنوں کی بوئی ہوئی فصل جب جوان ہوئی تو دور بیٹھے جنگلی سانڈ اسکا مزا لوٹنے آ گئے۔حقیقت تو یہ ہے کہ معراج محمد خان اور چند ایک ایسے دوسرے ناموں کے علاوہ کسی بڑے سیاستدان نے عمران خان کی ہیروشپ اور سیاسی موقف کو کبھی تسلیم ہی نہیں کیا اور اگر عمران آج یہ سمجھتا

ہے کہ پرانے کھر انڈ سیاستدان اُس کے نظریے پر تحریک انصاف میں آئے ہیں تو وہ احمقوں کی جنت میں رہ رہا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو گزشتہ 71ء سالوں سے ہر انقلاب کو رد کرنے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں اور ایک بار پھر انہیں اسی کام پر لگا دیا گیا ہے۔ تحریک انصاف نے انٹر پارٹی الیکشن 2013ء کروایا تو یہ پہلا موقع تھا جب عمران خان کو اپنے پرانے ساتھیوں کے قتل عام کا کھلا موقع ملا اور پیسے کی بنیاد پر ہونے والے اس انتخاب میں ایک نئی رولنگ ایلیٹ ہمارے سامنے تھی۔ بات یہاں پر ختم نہیں ہوئی اور رہی سہی کسر عمران نے 2013ء کے انتخابات میں ٹکٹوں کی تقسیم میں اپنے نظریاتی ساتھیوں کو دھوکا دے کر پوری کر دی۔ بلدیاتی انتخابات سے پہلے عمران نے ریحام خان کو طلاق دے کر ملک بھر میں بلدیاتی انتخابات کا بیڑہ غرق کروالیا اور اس سے پہلے تنظیم توڑ کر ایک بار پھر سب کو لاوارث کر دیا۔ 2018ء کا انتخاب دراصل دو سیاسی جماعتوں نہیں بلکہ نئی اور پرانی رولنگ ایلیٹ کے درمیان تھا جس میں عمران خان اپنے پرانے ساتھیوں کو دفن کر کے اقتدار پر قابض ہو گیا۔ بلاشبہ سیاست بہت بے رحم عمل ہے لیکن عمران خان کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ذوالفقار علی بھٹو بھی جیل میں اپنے نظریاتی ساتھیوں کو دفن کرنے پر کفِ افسوس ملتا رہا۔ اقتدار سے زیادہ بے وفا کوئی نہیں ہوتا لیکن نظریاتی ساتھی ہی اصل میں وفا کا پیکر ہوتے ہیں اور جب لیڈر اپنے ساتھیوں کو کمزور یا ختم کر دے تو پھر وہ ایک بے رحم اشرافیہ کے رحم و کرم پر ہوتا ہے جس طرح آج عمران خان ہے۔

جولائی 2018ء کے انتخابات جیتنے کے بعد مخصوص نشستوں پر خواتین کے چناؤ کا مرحلہ آیا تو وہاں بھی برساتی مینڈک اور سرمایہ دار طبقہ نوزا گیا جنہوں نے ہر فیصلہ اپنی مرضی کا کروا کر نظریاتی کارکنان کو سائیڈ لائن کر دیا۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ نظریاتی کارکنان میں سے بھی ایک مخصوص تعداد کو تناسب سے اقتدار میں شراکت داری کا موقع دیا جاتا تاکہ آنے والے وقت میں وہ بھی سیاست کے میدان میں کنگ بن سکتے مگر افسوس ایسا ہوا نہیں۔ سب مرد سیاستدانوں نے اپنی اپنی مرضی کی خواتین اور بیگمات کو ترجیح دی جس سے وہ خاتون کارکنان جو دہائیوں سے محنت کر رہی تھیں نظر انداز کر دیں گئیں۔ جب کہ دوسری طرف 2010ء میں ایک طویل سرکاری ملازمت کرنے کے بعد ریٹائرڈ ہونے والی ڈاکٹر یاسمین راشد کو پہلے انٹر پارٹی الیکشن میں پنجاب کی جنرل سیکرٹری بنوایا گیا جس میں جماعت اسلامی کے سابق امیر میاں طفیل محمد کے داماد اعجاز چوہدری نے ڈاکٹر یاسمین راشد کا بھرپور ساتھ دیا کیونکہ دونوں زمانہ طالبعلمی سے جمعیت کے سرگرم کارکن تھے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر یاسمین راشد کو تین بار نون لیگ کے مقابلے میں اتارا گیا سب سے پہلے وہ نواز شریف سے ہار گئیں پھر کلثوم نواز سے ہار گئیں اور آخر بار سابق چیئر مین نیوانارکلی وحید عالم نے انہیں بدترین شکست دی لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ڈاکٹر یاسمین راشد کے پاس قومی اسمبلی کی ٹکٹ بھی تھی اور خواتین کی پنجاب کی مخصوص نشستوں پر بھی وہ پہلے نمبر پر تھی اور اسی نشست کی بنیاد پر انہیں پنجاب کی وزیر صحت بنا دیا گیا اور اب اُن کی اتنی ہمت اور اخلاقی جرات بھی نہیں کہ وہ اُس حلقہ میں جا سکیں جہاں سے وہ تین بار انتخاب لڑ چکی ہیں۔ میاں محمود الرشید جو انٹرا پارٹی الیکشن سے پہلے چار سال تک لاہور کے صدر رہے جب ہارنا شروع ہوئے تو آخر تک ہارتے چلے گئے وہ تو خدا بھلا کرے عمران خان کا کہ اسے میاں محمود الرشید میں کونسا نیلسن منڈیلا نظر آیا کہ اُس نے اعجاز چوہدری سے کہہ کر اسے پھر مرکزی نائب صدر بنوا دیا اور بعدازاں لیڈر آف سے پنجاب اپوزیشن بھی اور حرام ہے کہ میاں محمود الرشید نے سوائے فائلیں اٹھا کر

میاں شہباز شریف کے پیچھے چلنے کے کوئی دوسرا کام کیا ہو۔سیاست کے کھیل میں کھلاڑی یا کارکن جتنا پرانا اور تجربہ کار ہوتا جاتا ہے وہ جماعت کی تنظیم سازی اور پارٹی چلانے کے دیگر امور میں اتنا ہی سودمند ثابت ہوتا ہے۔سیاسی ورکرز عمران خان کو اقتدار کی کرسی تک تو لے آئے ہیں۔اب دیکھنا یہ ہے کہ عمران خان سیاسی میدان میں بھی کوئی ایسی ٹیم تیار کر کے جاتے ہیں جو آنے والے وقتوں میں کنگ بن سکیں ؟اگر عمران خان "اعلیٰ سطحی قیادت" کے ساتھ ساتھ نظریاتی ورکرز کو بھی ساتھ لیکر چلے گا تو پارٹی زیادہ دیر تک اقتدار میں رہ سکتی ہے۔اگر پارٹی میں ورکرز کو ایسے ہی نظر انداز کیا جاتا رہا تو حکومتی جماعت (Thesis) اور حزب اختلاف کی جماعتوں کے (Anti-thesis) کے ملاپ کے نتیجے میں عنقریب ایک نئی جماعت (Synthesis) کے روپ میں کھڑی ہو کر ایک نیا (Thesis) دینے کی کوشش کرتی نظر آئے گی۔تحریک انصاف کے اقتدار میں آنے کے بعد نظریاتی کارکنان اور سیاسی ورکرز کو کارنر کرنے کی وجہ سے ایک (Hypothesis) تو بن ہی چکا ہے جسے (Synthesis) میں تبدیل ہونے سے قبل تبدیلی سرکار کو کچھ سوچنا بلکہ کچھ کرنا ہوگا۔قوم سیاسی میدان میں بھی عمران خان سے وسیم اکرم اور انضمام الحق جیسے کنگز کی امید کرتی ہے مگر ابھی تک تو وسیم اکرم اور انضمام الحق کے نام پر سلیم جعفر اور منصور اختر جیسے لوگ ہی متعارف کروائے گئے ہیں۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

08-03-2019